شرعی نقطۂ نظر سے تحقیق کے اصول

ڈاکٹر محمد اسلم خان* ڈاکٹر رشاد احمد**

ABSTRACT:

Principles of Research Methodology from Islamic Perspective

Isl┐ m has, no doubt, played a major role in the development and advancement of human civilization, which means that classical Muslim scholars and scientists were well ahead of others in discovering many scientific theories, facts, and methods from which modern civilization has emerged. It is *Qur'┐ n* and Sunna which laid the foundation of the principles of research they carried out. This paper aims to study the principles given to them by *Isl┐ m* and its basic sources i.e. *Qur'┐ n* and *Sunnah*.

Key words: *Principles of Research, Qur'┐ n, Sunnah, Isl┐ m*

خالق کائنات نے انسان کی فطرت میں کمالات و خصوصیات ودیعت کر رکھے ہیں۔ انہیں میں حصول علم کی استعداد بھی ہے۔ کہ وہ انسان کو نہ صرف دین و دنیا کی کامیابی کے لئے نت نئے راہوں اور نت نئے وسائل سے روشناس کراتا ہے بلکہ اس کے استعمال کے طریقوں کو بروئے کار لا کر ان سے استفادہ کی صورتیں بھی پیدا کرتا ہے۔

در حقیقت علم کے حصول کی استعداد و قابلیت کے ساتھ تحقیق کا وہ جذبہ بھی ہے اللہ تعالیٰ نے آغاز ہی سے انسانی فطرت میں رکھا ہے۔ تحقیق کا یہ عمل خود محقق اور دوسروں کے لئے سود مند، قابل اعتماد اور معیاری بنانے کے لئے "قرآن و حدیث" نے بعض ایسے قواعد و ضوابط ضروری قرار دئے ہیں جو اس سلسلے میں کار آمد ہیں۔ زیر نظر مقالہ میں اس امر کی سعی کی گئی ہے کہ شرعی نقطۂ نظر یعنی قرآن و حدیث کی رو سے تحقیق کے کیا اصول ہیں؟ اور اس کے لئے کن قواعد و ضوابط کا لحاظ و اعتبار لازمی ہے؟

تحقیق کے لغوی و اصطلاحی تعریف:

تحقیق عربی زبان کا لفظ ہے۔ جو باب تفعیل سے مصدر ہے۔ یحقق، تحقیقاً۔ محقق (تحقیق کرنے والا)، محقق (تحقیق شدہ)، "حقق فلان" تو اس کے معنی ہیں۔ فلاں نے تحقیق کی یعنی "اصلیت معلوم کی"، دریافت کیا، کھوج لگایا، حقیقت کو ثابت کیا۔[1] تحقیق کے لغوی معنی بیان کرتے ہوئے "لسان العرب" کی عبارت کا ترجمہ یہ ہے کہ: "لغوی اعتبار سے لفظ تحقیق، حق سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی ثابت کرنا، دریافت کرنا، جانچ پڑتال کرنا،

* ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اسلامیات، یونیورسٹی آف ہری پور۔

** اسسٹنٹ پروفیسر شیخ زاید اسلامک سنٹر، یونیورسٹی آف پشاور۔

اور پایہ ثبوت کو پہنچنا وغیرہ۔ یہ انگریزی لفظ ریسرچ کا مترادف ہے"۔[2]

تحقیق کے اصطلاحی معنی یا تعریف وہ ہے جو عبد الحمید عباسی نے ڈاکٹر نجم الاسلام کی طرف منسوب کر کے لکھی ہے: "تحقیق ایک اندازِ فکر کے اثر سے پروان چڑھتی ہے۔ جو ہمیں چیز کی حقیقت و حکمت جاننے کی طرف مائل کرتا ہے اور بیانات و امور کی اصلیت کا کھوج لگانے پر آمادہ کرتا ہے۔ یہی علم کا منبع ہے۔ یہی اس کی توسیع یا اضافے کا وسیلہ ہے"۔[3]

یہ بھی کہا گیا ہے کہ تحقیق نہ صرف محنت، مشقت، طلب، تفتیش بہ غور جانچ پڑتال کے مجموعہ کا نام ہے بلکہ تحقیق، ذاتی تجسس کی تسلی کرتی ہے۔ جس میں باضابطہ جستجو، اپنے ماحول کے حالات کو قابو میں لاتی ہے اور ساتھ ساتھ تحقیقی کی تکنیکی مسائل کی نوعیت کے مطابق تبدیل ہوتی ہے۔[4]

ماہرین تعلیم و تحقیق کی جانب سے متعدد تعریفات میں سے ایک جامع تعریف یہ بھی ہے کہ: "تحقیق ایک محتاط اور منظم جستجو یا تلاش کا عمل ہے۔ جس کے ذریعہ پریشان کن مسائل ڈھونڈنے، علم میں اضافہ کرنے، حقائق معلوم کرنے، اصول وضع کرنے اور مستقبل کے لئے پیشگوئی کرنے میں انسان کو مدد ملتی ہے۔[5]

تحقیق انسانی فطری تقاضا ہے کہ ابتداء ہی سے تحقیق سے متعلق، علم، انسانی فطرت میں ودیعت کی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا﴾[6] یعنی ﴿اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو تمام اشیاء کے نام بمعہ ان کے خواص کے تعلیم فرمائے﴾۔

مولانا محمد علی کاندھلوی اس آیت کریمہ کی تفسیر ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں: "حق تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو ہر چیز کے نام مع اس کی حقیقت اور خاصیت کے اور نفع و نقصان کے تعلیم فرمایا۔ اور یہ علم ان کے دل میں بلاواسطہ کلام القاء فرمایا۔ کیونکہ بدون اس کمال علمی کے خلافت اور دنیا پر حکومت کیونکر ممکن ہے"۔[7]

اس آیت کریمہ اور اس کی تفسیر سے یہ معلوم ہوا کہ انسان نے جب ضروریات کی دنیا میں قدم رکھا تو اپنی زندگی گزارنے کے لئے اس نے اپنے آپ کو مختلف مسائل اور مشکلات سے دوچار پایا۔ جو ان کے حل کے بغیر دنیا میں زندگی گزارنا اس کے لئے دشوار بلکہ ناممکن ہوا۔ لہذا اس فطری علم کو جستجویانہ غور و فکر کے ذریعہ کام میں لا کر مسائل کے حل اور مشکلات کو رفع کرنے میں سعی کرتا رہا۔ اس سعی کا دوسرا نام "تحقیق" ہے۔

دین اسلام، عین دینِ فطرت ہے اور یہ فطرت کا تقاضا ہے کہ جھوٹ سے نفرت ہو اور سچ کی طرف رغبت ہو۔ اس اعتبار سے بلا تحقیق کسی خبر و اطلاع کو لینا اور پھر بغیر کسی خبر و اطلاع کے صدق و کذب کے بارے میں سوچنا اور

یہ کہ کیا یہ معقول بھی ہے؟ کیا ایسا واقع ہونا ممکن بھی ہے؟ یہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے لہٰذا اسی سلسلے میں ابن حزم اندلسی، انسانی کی ابتدائی عمر یعنی صغر سنی جو فطرت سے زیادہ قریب ہے کی مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> مجملہ اس کے بچے کا یہ سمجھنا ہے کہ خبر میں صدق بھی ہوتا ہے اور کذب بھی۔ تم دیکھو گے کہ جب اسے خبریں دیں جائیں تو وہ کسی کی تکذیب کرتا ہے۔ کبھی کسی کی تصدیق کرتا ہے اور کبھی کسی خبر میں توقف کرتا ہے۔ یہ تمام امور انسان کی پیدائش کے ابتدائی زمانے میں ہر شخص کے مشاہدے میں آتے رہتے ہیں۔ یہ عقل کے وہ ابتدائی مراحل ہیں جن میں کسی صاحب عقل کو اختلاف نہیں۔[8]

اسی طرح ابن حزم اندلسی، حق و باطل کو پرکھنے اور اس میں تمیز کرنے کی فطری تقاضے کو مدِ نظر رکھتے ہوئے انسانی فطرت کی مزید عکاسی ان الفاظ میں کرتا ہے: "مجملہ اس کے حق و باطل میں فرق کرنا ہے۔ جب بچے کو کوئی خبر دی جائے تو بعض کی تم یہ کیفیت دیکھو گے کہ وہ اس کی تصدیق نہ کرے گا۔ تاوقتیکہ وہ اس کے نزدیک کسی دوسرے مخبر کے ذریعہ سے ثابت نہ ہو جائے اور کبھی دیکھو گے کہ وہ تصدیق کرتا ہے اور اس سے مطمئن ہو جاتا ہے"۔[9]

مندرجہ بالا عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن حزم اندلسی نے تحقیق کو ایک انسانی فطرت قرار دیا ہے اور یہ اسی فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ حق و باطل اور صدق و کذب میں تمیز کرنے کے درپے رہتا ہے اور جب تک وہ اس سلسلے میں کسی نتیجے تک نہیں پہنچ پاتا اسے اطمینان حاصل نہیں رہتا۔

قرآنی تعلیمات کی رو سے تحقیق کے اصول

ا۔ ہر معاملے میں تحقیق و تدقیق ضروری ہے:

انسانی زندگی، مختلف قسم کے مسائل اور معاملات کی آماجگاہ ہے۔ جس میں وقت کے ساتھ ساتھ یہی مسائل و معاملات پیش آتے رہتے ہیں اور ان کے حل کے لئے طرح طرح کے ذرائع اپنانے پڑتے ہیں۔ جن میں پوری تحقیق اور کانٹ چھانٹ سے ان کے ہر پہلو پر غور و فکر کرنا وغیرہ بھی شامل ہے۔ اس بارے میں قرآن حکیم، ہماری رہنمائی اس آیت کریمہ سے کرتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا ... نَادِمِينَ﴾[10]

﴿اے ایمان والو! اگر کوئی شریر آدمی تمھارے پاس کوئی خبر لائے تو خوب

تحقیق کر لیا کرو۔ کہ کہیں کبھی کسی قوم کو نادانی سے کوئی ضرر پہنچادو۔ پھر اپنے
کئے پر پچھتانا پڑے﴾

اس آیت مبارکہ میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ ایمان والوں کے لئے کسی خبر و اطلاع کی تحقیق، اس کی سچائی کی تلاش، اس کی تہہ تک پہنچے کی کوشش کرنا نہایت ضروری ہے۔ تحقیق کی ضد، جہالت کو قرار دیا ہے اور یہ بتا دیا ہے کہ تحقیق نہ کرنے کی وجہ سے جہالت کا شکار ہو جاؤ گے۔ یعنی غلط خبر و اطلاع کی بنیاد پر جہالت کی وجہ سے دوسروں کو نقصان پہنچانے کا باعث بن سکتے ہو۔ اس صورت میں خود بھی نقصان اٹھاؤ گے اور دوسروں کو بھی نقصان سے دوچار کر دو گے۔ اس جہالت اور اس کے نتیجے میں اپنے دوسروں کے لئے ضرر کا باعث بننے سے بچنے کے لئے حقیقت کی تلاش اور سچائی کا معلوم کرنا فرض قرار دیا گیا ہے۔

کسی خبر یا اطلاع کی تصدیق یا تکذیب معلوم کرنے میں تحقیق کے مختلف ذرائع بروئے کار لانے پڑتے ہیں۔ تب ہی حقیقت تک رسائی حاصل ہوتی ہے۔ جس کی وضاحت مولانا مفتی شفیع صاحب آیت مذکورہ کے ذیل میں ان الفاظ سے کرتے ہیں:

> 'امام جصاصؒ نے احکام القرآن میں فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ کسی فاسق کی خبر کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک دوسرے ذرائع سے تحقیق کر کے اس کا صدق ثابت نہ ہو جائے۔ کیونکہ اس آیت میں ایک مشہور قرأت فتثبتوا کی ہے۔ جس کے معنی ہیں کہ اس پر عمل کرنے اور اقدام میں جلدی نہ کرو، بلکہ ثابت قدم رہو جب تک دوسرے ذرائع سے اس کا صدق ثابت نہ ہو جائے۔[11]

ب۔ تشہیر بلا تحقیق جائز نہیں:

سرسری طور پر کسی ذریعہ سے کسی واقعہ کے بارے میں علم ہو جاتا اور اس کو بلا تحقیق زبان وغیرہ سے بیان کرنا اس لئے ناجائز قرار دیا گیا ہے کہ اس طور پر گوناگوں مسائل اور نقصانات پیدا ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان کے ازالہ کے لئے قرآن حکیم نے پہلے ہی سے بندش لگائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا ... إِلَّا قَلِيلًا﴾۔[12]

﴿اور جب ان کو پہنچتی ہے کوئی خبر امن کی یا ڈر کی تو اس کو مشہور کر دیتے ہیں

اور اگر اس کو پہنچادیتے رسول تک اور اپنے حاکموں تک تو تحقیق کرتے اس کی
جو ان میں تحقیق کرنے والے ہیں اس کی۔ اور اگر نہ ہوتا فضل، اللہ کا تم پر اور
اس کی مہربانی تو البتہ تم پیچھے ہو لیتے شیطان کے مگر تھوڑے﴾۔

اس آیت سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے اس کے متعلق تفسیر روح المعانی میں ہے کہ: "وفيه إنكار على من تحدث بالشيء قبل تحقيقه"[13] یعنی " اور اس آیت میں کسی خبر و اطلاع کے قبول کرنے سے تحقیق اور چھان پھٹک سے پہلے قبول کرنے سے انکار ہے"۔

علامہ ابن کثیرؒ نے اس آیت کی تفسیر میں جو مفید بحث کی ہے۔ معارف القرآن کے حوالہ سے وہ یہ ہے: "علامہ ابن کثیرؒ نے اس آیت سے متعلق واقعات نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ اس آیت کے شانِ نزول میں حضرت عمر بن الخطابؓ کی حدیث ذکر کرنا چاہئے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کو اطلاع ملی تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے ازواجِ مطہراتؓ کو طلاق دی ہے۔ بعد میں وہ خبر غلط نکلی۔ بلکہ حضرت عمرؓ نے خود رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق پوچھا تھا تو آپ ﷺ نے اس کو جھوٹ قرار دیا تھا۔

آگے چل کر وہ ایک شبہ ذکر کرتے ہیں اور پھر اس کا جواب بھی دیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ ﴿وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ﴾[14] میں دشمن کا کوئی ذکر نہیں۔ لہٰذا امن اور خوف عام ہے جس طرح ان کا تعلق دشمن سے ہے اس طرح مسائل و حوادث سے بھی ہے۔ کیونکہ جب کوئی جدید مسئلہ عامی کے سامنے آیا ہے اس حال میں کہ اس کی حلت و حرمت کے بارے میں کوئی نص نہ ہو تو فکر میں پڑ جاتا ہے کہ کونسا پہلو اختیار کرے۔ دونوں صورتوں میں نفع و نقصان کا احتمال رہتا ہے۔ تو اس کا بہترین عمل شریعت نے یہ نکالا کہ تم اہل استنباط سے رجوع کرو۔ وہ جو بات بتلائیں اس پر عمل کرو۔[15]

اس آیت میں یہ صراحت بھی موجود ہے کہ خبر کی تحقیق، خاص لوگوں کا کام ہے نہ یہ ہر شخص کا کام ہے۔ نہ ہی اس کی ذمہ داری۔ اس ضمن میں مولانا بدر عالمؒ لکھتے ہیں: "ہر خبر کی تفتیش کا ہر انسان سلیقہ نہیں رکھتا۔ بعض خبریں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کی تفتیش خاص افراد ہی کر سکتے ہیں۔ گویا یہ تفتیش کے محکمہ جات کی طرف اشارہ ہے۔ غرض ہر خبر کی تحقیق کے لئے اہلیت درکار ہے"۔[16]

ج۔ عمل بلا علم اور علم بلا عمل ممنوع ہیں:

ہر امر کے بارے میں جاننا ضروری ہے۔ معلوم کئے بغیر اس پر عمل کرنا بے معنی ہے اسی طرح اگر کسی

امر کے بارے میں علم ہو لیکن اسے عملی جامہ نہ پہنانا بھی بے مقصد ہے یعنی علم اور عمل دونوں بیک وقت لازم و ملزوم ہیں۔ حاصل یہ کہ دونوں کے ہوتے ہوئے نتیجہ مقاصد حاصل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلاَ تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنّ السَّمْعَ وَالْبَصرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولـئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْؤُولاً﴾[17] یعنی ﴿اور نہ پیچھے پڑ جس بات کی خبر تجھ کو نہیں۔ بے شک کان، آنکھ اور دل ان سب کی اس سے پوچھ ہو گی﴾۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ زمخشری لکھتے ہیں: "والمراد من النهي عن ان يقول الرجل ما لا يعلم وان لا يعمل بما لا يعلم" یعنی "کہ اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص کوئی ایسی بات نہ کرے جس کا اس کو علم نہ ہو۔ اور نہ وہ عمل کرے جس کا اس کو علم نہ ہو"۔[18]

تفسیر روح المعانی میں اس آیت کی تفسیر یوں کی گئی ہے: "أي لا تتبع ما لا علم لك به من قول أو فعل وحاصله يرجع إلى النهي عن الحكم بما لا يكون معلوما" یعنی "کسی ایسے قول اور فعل کی پیروی نہ کر جس کا تجھے علم نہ ہو اور اس کا حاصل یہ ہے کہ جو چیز معلوم نہ ہو اس پر کسی قسم کا حکم نہ لگاؤ"۔[19]

علامہ جصاصؒ نے احکام القرآن میں اس آیت کی تفسیر سے تفصیل سے بحث کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

> اس آیت کی تفسیر میں حضرت قتادہؓ نے کہا ہے کہ جو سنا نہ ہو تو یہ نہ کہو کہ میں نے سنا ہے۔ اور جو دیکھا نہ ہو تو نہ کہو کہ میں نے دیکھا ہے اور جس چیز کا تم کو علم نہ ہو تو مت کہو کہ میں جانتا ہوں اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات میں ظن وگمان کرنے سے روکا گیا ہے۔ اسی طرح لوگوں نے بارے میں ایسی بری بات کہنا جس کے صحت کا علم نہ ہو اس سے روکا گیا ہے اور یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ بغیر علم کے کوئی بات کرنا خواہ وہ جھوٹی ہو یا سچی بیان کرنے والا گنہگار ہے۔ کیونکہ بغیر علم کے بات کر دی حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے روکا ہے۔[20]

اس آیت میں درج حکم وضاحت اور اس کی حکمت خواجہ عبد الحی فاروقیؒ نے یوں کی ہے:

> اس آیات سے معلوم ہوا کہ علم صحیح وہ ہے جس پر عقل سلیم اپنی مہر تصدیق ثبت کر دے اور اس کے بعد اس کا یقین کر لے۔ اگر کوئی عقل سلیم سے پہلے کسی بات پر یقین کر بیٹھا اور اسے منہ سے نکال دیا، یا اس پر عمل کر لیا تو اس سے اس کی باز پرس ہو گی۔ کہ اس جلد بازی کے کیا معنی؟ اور پھر اسے اس کی سزا دنیا میں یا

> آخرت میں یا دونوں میں مل کر رہے گی۔ منہ سے کوئی بات نکالنا بڑی ذمہ داری کا کام ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ کانوں سے ٹھیک سنا ہو۔ آنکھوں سے ٹھیک دیکھا ہو۔ پھر فکر نے ان ٹھیک سنی اور دیکھی باتوں سے ٹھیک نتیجہ نکالا ہو۔ پھر عقل سلیم یہ فتویٰ دیدے کہ یہ ٹھیک نتیجہ ہے پھر دل کو اطمینان ہو جائے کہ اب یہ اس قابل ہے کہ اسے منہ سے نکالا جائے۔ یا اس پر عمل کیا جائے۔[21]

د۔ تحقیق میں درایت یعنی عقلی شہادت ضروری ہے:

کسی بات کی تحقیق کے لئے دوسرے لوازم کے ساتھ اس پہلو کو بھی پیشِ نظر رکھنا ہو گا کہ کیا عقل بھی اس کے وقوع یا عدم وقوع کو جائز تسلیم کرتی ہے یا نہیں۔

مولانا شبلی نعمانیؒ اپنی عظیم تصنیف سیرۃ النبی کے مقدمہ میں تحقیق واقعات کے اصول بتاتے ہوئے وہ دوسرا اصول "درایت" کو بھی قرآن حکیم کا بتایا ہوا اصول قرار دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ قرآن حکیم سے استدلال پیش کرتے ہیں, لکھتے ہیں کہ:

> تحقیق واقعات کا دوسرا اصول یہ ہے کہ جو واقعہ بیان کیا جاتا ہے عقلی شہادت کے مطابق بھی ہے یا نہیں؟ یہ اصول بھی درحقیقت قرآن ہی نے قائم کر دیا ہے۔ حضرت عائشہؓ پر جب منافقین نے تہمت لگائی تو اس طرح خبر کو مشہور کر دیا کہ بعض صحابہ کرامؓ تک مغالطہ میں آگئے۔ چنانچہ صحیح بخاری اور مسلم میں ہے کہ حضرت حسان بن ثابتؓ بھی قاذفین میں شریک تھے۔ اور اسی بناء پر حد قذف جاری کی گئی۔ قرآن مجید میں بھی اس کی تصریح ہے۔ (وہ بات کو آگے بڑھاتے ہوئے لکھتے ہیں) عام اصول کی بناء پر اس خبر کی تحقیق کا یہ طریقہ تھا کہ پہلے راویوں کے نام دریافت کئے جائے پھر دیکھا جاتا کہ وہ ثقہ یا صحیح الروایۃ ہیں یا نہیں؟ پھر ان کی شہادت لی جاتی۔ لیکن خدا نے اس آیت میں فرمایا کہ سننے کے ساتھ تم نے کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ بہتان ہے اس سے قطعاً ثابت ہوتا ہے کہ اس قسم کا خلاف قیاس جو واقعہ بیان کیا جائے قطعاً سمجھ لینا چاہئے کہ یہ غلط ہے۔ اس طرز تحقیق یعنی درایت کی ابتداء خود صحابہؓ کے دور

میں ہو چکی تھی۔[22]

ھ۔ بیان واقعہ پوری توجہ سے سننا اور اس پر غور و فکر کے بعد عمل کرنا:

جو واقعہ بیان کیا جارہا ہو سامع کو پوری توجہ سے سننا از حد ضروری ہے اور پھر صرف سننے پر اکتفاء نہ کیا جائے بلکہ اس کے ہر پہلو پر غور و خوض کر کے ایک نتیجہ تک پہنچنا بھی لازمی ہے۔ بلا غور و فکر اس پر عملی اقدام خوف و خطرے سے خالی نہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا﴾[23] یعنی ﴿اور اللہ کے بندے ایسے ہیں کہ جس وقت ان کو اللہ کے احکام کے ذریعہ نصیحت کی جاتی ہے تو ان احکام پر بہرے اندھے ہو کر نہیں گرتے﴾۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا مفتی شفیع صاحب لکھتے ہیں:

> اس آیت میں دو چیزیں مذکور ہیں ایک آیات الٰہیہ پر گر پڑنا یعنی اہتمام کے ساتھ متوجہ ہونا۔ یہ تو امر محمود و مقصود اور بہت بڑی نیکی ہے۔ دوسرے اندھوں، بہروں کی طرح گرنا کہ قرآن کی آیات پر توجہ تو دیں مگر یا تو ان پر عمل کرنے میں معاملہ ایسا کریں کہ گویا انہوں نے سنا اور دیکھا ہی نہیں۔ اور یا آیات قرآن پر عمل بھی کریں مگر ان کو اصول صحیح اور تفسیر صحابہؓ، تابعینؒ کے خلاف اپنی رائے یا سنی سنائی باتوں کے تابع کر کے غلط عمل کریں۔ یہ بھی ایک طرح سے اندھے بہرے ہو کر ہی گرنے کے حکم میں ہیں۔[24]

احادیث رسول کی رو سے تحقیق کے اصول

ا۔ بلا تحقیق کسی امر کی دوسرے کی طرف نسبت نہ کرنا:

جب تک کسی امر کے بارے میں پوری تحقیق کے بعد قطعی علم حاصل نہ ہو اس امر کی نسبت کسی دوسرے شخص کی طرف کرنا بے اصل اور بہتان تراشی کے مترادف ہے۔ جسے شریعت اسلامی میں گناہ کبیرہ بتایا ہے۔ بلکہ ایسا کرنے سے عموماً انسان کو دشواری اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جس سے چھٹکارا مشکل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا بلا تحقیق کسی امر کی دوسرے کے طرف نسبت کرنا مذموم ہے۔ مشکوۃ المصابیح کی روایت ہے:

> جناب ابو قلابہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو مسعودؓ نے عبداللہ (حضرت حذیفہؓ) سے یا ابو عبداللہ (حضرت حذیفہؓ) نے حضرت ابو مسعودؓ سے پوچھا کہ آپ نے اس بارے میں حضرت

محمد□ کیا سنا ہے جو لوگ "زعموا" کے انداز میں بات کرتے ہیں؟(لوگوں کا خیال ہے۔
باور کیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے وغیرہ)۔ انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم سے سنا، آپ□ فرماتے تھے "زعموا" آدمی کی بہت بری سواری ہے۔[25]

اس حدیث کی تشریح، مولانا بدر عالم نے یوں کی ہے کہ: "اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ جب تک کسی بات کو خود یقین حاصل نہ ہوا جئے اس وقت تک صرف لوگوں کی طرف نسبت کر کے بیان کرنا شریعت کی نظر میں یہ بھی قابل مؤاخذہ ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کذب اور جھوٹ کی برائی شرعی نقطۂ نظر میں کتنی ہو گی"۔[26]

"بئس مطية الرجال زعموا" کے متعلق مولانا وحید الزمان لکھتے ہیں کہ:

لوگوں کا قاعدہ یہ ہے کہ بلا تحقیق باتوں کا ذکر کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ لوگ ایسا کہتے ہیں یا اس طرح سنا گیا ہے یا کہا گیا ہے۔ بعض کہتے ہیں لعهدة علی الراوی (دروغ بر گردن راوی) حضور□ نے ایسی بلا تحقیق باتوں کے ذکر کرنے سے منع فرمایا۔ آدمی کو چاہئے کہ جب کسی خبر کی اچھی طرح تحقیق نہ کر لے اور اس کی سچائی کا یقین نہ ہو اس وقت تک اس کو منہ سے نہ نکالے۔[27]

اس حدیث مبارکہ سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ غیر محقق باتوں کا غیر ذمہ دارانہ طور پر نقل کرنا بھی اسلام میں ایک بہت بڑا عیب ہے۔ چونکہ نزاعات اور مناقشات کی ابتداء جھوٹی خبروں سے ہوتی ہے۔ اس لئے آپس کے اختلافات اور اس کے نتیجے میں ہونے والی جھگڑوں کے سد باب کے لئے تعلیم دی گئی ہے۔ کہ کسی خبر کو بلا تحقیق کسی دوسری کی طرف نسبت کرنا معیوب ہے۔

ب۔ کسی بات کو بلا تحقیق بیان نہ کرو:

ہر سنی ہوئی بات کو بلا تحقیق دوسروں کے سامنے بیان کرنا نہ صرف سنت کے خلاف ہے بلکہ ایسا کرنے سے بسا اوقات کافی دشواریوں سے واسطہ پڑ جاتا ہے۔ جن کا ازالہ یقیناً انسان کے لئے نہایت ہی مشکل ہو جاتا ہے۔ حدیث مبارکہ ہے کہ: "عن حفص بن عاصمؓ قال قال رسول اللہ□، کفی بالمر کذبا ان یحدث بکل ما سمع" یعنی "حضرت حفص بن عاصمؓ سے روایت ہے رسول اللہ □ نے فرمایا کہ کسی شخص کے جھوٹے ہونے کے لئے اتنا کافی ہے کہ جو سنے دوسرے کو سنائے"۔[28]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر سنی بات کو بغیر تحقیق کئے اور اس کے معقول، نامعقول کے اندازے

کے بغیر اس کو دوسروں کے سامنے بیان نہ کرے۔ ورنہ اتنی ہی بات اس کے جھوٹے ہونے کے لئے کافی ہے۔

اس روایت کا فائدے میں مولانا خرم علی رقمطراز ہیں کہ: "جھوٹ صرف اسی چیز کا نام نہیں کہ اپنی طرف سے بات بنادے اور جھوٹ باندھے بلکہ یہ بھی جھوٹ میں داخل ہے جو خبر بدون تحقیق کئے اس کو کہنے لگے۔ اس واسطے کہ اکثر احباب جھوٹے مشہور ہو جاتے ہیں تو مومن عاقل کو اسکی تحقیق لازم ہے بے تحقیق کسی بات کو زبان سے نہ نکالے"۔[29]

ج۔ غیر عادل کی روایت سے احتراز کرو:

ہر کسی کی بات کو سچ جاننا حماقت ہے جب تک اس کے صدق اور کذب کے بارے میں علم نہ ہو۔ شریعت نے اس بارے میں ایک معیار متعین کیا ہے۔ جس میں روایت کرنے والے کی عدالت بھی ہے۔ لہذا کسی قول کی روایت میں غیر عادل شخص سے احتراز لازم ہے۔ حدیث مبارک میں ہے: "عن أبي هريرةؓعن رسول الله □، سيكون في آخر أمتي أناس يحدثونكم بما لم تسمعوا أنتم ولا آباؤكم فإياكم وإياهم" یعنی "فرمایا عنقریب میری پچھلی امت میں کچھ لوگ ہوں گے جو حدیثیں بیان کریں گے اور وہ باتیں تم سے کہیں گے جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے نہیں سنیں، سو بچو تم ان سے"۔[30]

گویا ان لوگوں کے متعلق مکمل معلومات حاصل ہو کہ وہ لوگ کون ہیں؟ ان کا مقام و مرتبہ کیا ہے؟ محدثین کرام اور علم جرح و تعدیل اور علم اسماء الرجال کے اصل و شرائط کی نگاہ میں اس کو کیا درجہ حاصل ہے؟ اس کے بعد ان کی روایات کو قبول کیا کرو۔ اس سلسلے میں محمد بن سیرینؒ کا قول ہے: "قال إن هذا العلم دين فانظروا عمن تأخذون دينكم" یعنی "کہ یہ علم (علم حدیث) دین کا علم ہے۔ تم یہ دیکھو کہ یہ دین تم کن لوگوں سے حاصل کر رہے ہو"۔[31]

د۔ راوی سے پوری واقفیت ضروری ہے:

شرعی نقطۂ نظر سے پوری واقفیت کے بغیر ہر شخص سے روایت لینا منع ہے۔ کیونکہ بعض اوقات شیطان کسی شخص کی روپ میں متشکل ہو کر اپنی گھڑی ہوئی بات کو حدیث نبوی کے انداز میں روایت کرتا ہے اور اس کی نسبت رسول □ کی طرف کر دیتا ہے۔ خود رسول □ نے ہر کسی سے سنی ہوئی بات کو بیان کرنے سے روکا ہے۔[32]

ھ۔ حدیث کو، حدیث جانتے ہوئے روایت کرنا:

جب تک یہ علم نہ ہو کہ یہ حدیث ہے ہر قول کو حدیث کہنا یا سمجھنا یا دوسرے سے روایت کرنا دنیوی

اور اخروی لحاظ سے سخت نقصان کا باعث ہے۔ لہٰذا اس سلسلے میں پوری تحقیق اور مکمل اطمینان ویقین ضروری ہے۔ حضور □ کا فرمان ہے: "اتقوا الحديث عني إلا ما علمتم" یعنی "مجھ سے حدیث، روایت کرنے سے بچو، وہی حدیث روایت کرو جس کو تم جانتے ہو"۔[33]

اس حدیث میں آپ □ نے یہ ہدایت فرمائی ہے کہ مجھ سے وہی حدیث روایت کیا کرو۔ جس کو تم جانتے ہو کہ یہ میری بیان کردہ حدیث ہے۔ ظن و تخمین اور اندازے سے کسی حدیث کی نسبت میری طرف نہ کیا کرو۔ ہو سکتا ہے کہ وہ جھوٹ ہو۔ اس لحاظ سے احادیث اور ان کے راویوں کے بارے میں یہ تحقیق لازمی امر ہے، تاکہ مکمل اطمینان ویقین حاصل ہو جائے۔

حاصل کلام یہ کہ قرآن وحدیث کے واضح احکامات وہدایات سے تصریح کے ساتھ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ کسی خبر و اطلاع کے ملتے ہی اس کی تحقیق کرنا یعنی اس کا صدق وکذب معلوم کرنا اور اس کے معقول و نامعقول کے بارے میں غور وفکر سے کام لینا بہت ضروری امر ہے۔ انہی قرآن واحادیث کی تعلیمات وہدایات نے مسلمانوں کے اندر نہ صرف تحقیق کا ذوق پیدا کیا بلکہ اس کو پروان بھی چڑھایا۔ جس کی بہترین مثال قرآن حکیم کی تدوین ہے۔ جس کے لئے انہوں نے وہ تمام ضروری لوازمات ایسی احتیاط سے مہیا کئے جس کا اس سے پہلے نہ کوئی تصور تھا اور نہ بعد میں اس کی مثال ملتی ہے۔ حتی کہ موجودہ دور میں جتنا زور تحقیق پر دیا جاتا ہے۔ یہ اس کا عشر عشیر بھی نہیں، جس کا اہتمام اس دور میں کیا جاتا تھا۔

مسلمانوں میں تحقیق کے جذبے اور ذوق کی دوسری اہم مثال تدوینِ حدیث کی ہے جس کے لئے بعض صحابہ کرامؓ نے زندگیاں وقف کر دی تھیں۔ احادیث کو انہی الفاظ میں اور اس ترتیب کے ساتھ حفظ کرنا جن الفاظ اور جس ترتیب کے ساتھ رسول اللہ □ نے ادا فرمائے ہیں، اور براہ راست انہیں راویوں سے سننا جنہوں نے براہ راست رسول اللہ □ سے سنی ہیں۔ صحابہ نے ان تمام لوازمات کی پوری طرح پابندی کی۔ اس سلسلے میں حضرت ابو موسیٰؓ کے الفاظ قابل غور ہیں، فرماتے ہیں: "من كان عنده علم فليعلمه الناس وإن لم يعلم فلا يقولن ما ليس له به علم" یعنی "اگر کسی کے پاس کوئی علم کی بات ہے تو وہ لوگوں کو سکھلا دے، اور اگر وہ علم نہیں رکھتا تو وہ بات منہ سے نہ نکالے جس کا اس کو علم نہیں (تاکہ متکلفین میں اس کا شمار نہ ہو جائے)"۔[34]

امیر المؤمنین حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے سامنے اگر کوئی شخص حدیث بیان کرتا تو اس سے پہلا سوال گواہی سے متعلق ہوتا تھا۔ اگرچہ دوسری مجلس میں یہ بات صاف کر دی جاتی تھی کہ یہ تحقیق

کسی بدگمانی کی بناء پر نہیں تھی بلکہ حدیث کی اہمیت آئینی طور پر اس کی متقاضی تھی کہ اس کے نقل میں ہر ممکن احتیاط کو کام میں لایا جائے"۔[35]

اس سلسلے کا واقع مولانا بدر عالمؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:

> ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰؓ، حضرت عمرؓ کے دروازے پر آئے۔ تین بار سلام کے بعد جب کوئی جواب نہ ملا تو وہ واپس ہو گئے۔ چند قدم چلے تھے کہ خادم اندر سے آیا اور اس سے کہا آیئے! امیر المؤمنین آپ کو بلا رہے ہیں۔ یہ پہنچے تو اس سے واپسی کا سبب دریافت کیا گیا۔ انہوں نے اس سے متعلق ایک حدیث سنا دی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تو اس پر گواہی پیش کیجئے ورنہ سزا ملے گی۔ پھر خود ہی یہ بھی فرما دیا کہ میں نے تم سے کسی شبہ کی وجہ سے شہادت طلب نہیں کی بلکہ یہ اندیشہ کیا کہ آئندہ لوگ، حضور ﷺ پر غلط بیانی نہ کریں۔[36]

اس ذوقِ تحقیق کے پیشِ نظر، صحابہ کرامؓ نے نہایت بے سرو سامانی کے عالم میں حدیث کو اسی راوی سے براہ راست سننا، جس نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنی ہے کے لئے دور دراز کے سفر اختیار کئے۔ حضرت ایوب انصاریؓ کو ایک حدیث کے بارے میں شک ہوا۔ شک کے ازالہ کے لئے مدینہ منورہ سے مصر پہنچے۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ سے حدیث حاصل کی۔ واپس مدینہ طیبہ روانہ ہوئے اور اپنی سواری کا پالان نہ کھولا۔[37]

مسلمانوں نے فن روایت حدیث کے سلسلے میں جن علوم کی بنیادی رکھی ہیں، جسے "علم اسماء الرجال" کہا جاتا ہے۔ یہ دونوں علوم، مسلمانوں کے ذوقِ تحقیق میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ دونوں علوم، تحقیق کے اعتبار سے ایسی نزاکتیں اپنے اندر رکھتی ہیں کہ دیگر اقوام کے ذہن وہاں تک رسائی سے قاصر ہیں۔ ان علوم کے ذریعہ سے وہ لاکھوں کی تعداد پر مشتمل ذخیرہ احادیث میں سے ہر ایک حدیث کو صحیح اور غیر صحیح معلوم کر سکتے ہیں،، اور یہ کہ سند کے اعتبار سے اس کا کیا مقام و مرتبہ ہے۔ اور نفس مضمون حدیث کے لحاظ سے اس کا کیا درجہ ہے۔ مسلمانوں کے نظامِ عدل و قضاء میں شہادت کو جو مقام جن شرائط کے ساتھ حاصل ہے، اس کی اہمیت کسی سے پوشیدہ نہیں۔ غیر قوموں نے بھی اسلام ہی کے اس اعلیٰ نظام میں سے بعض جزئیات کو لیا ہے، اور انہی بنیادوں پر اپنے عدالتی نظام کو استوار کیا ہے۔ کسی مدعی کی تصدیق، توثیق گواہوں کے بارے میں تحقیق اور تزکیہ کے لئے وہ کون سے ضروری امور اور وہ کون سے لازمی مراحل ہیں۔ جن سے اس کے دعویٰ کے سچے یا جھوٹے

ہونے کو پرکھا جائے۔

فقہاء کرام نے اپنے طور پر ائمہ مجتہدین کی آراء کی ترجیح کی وجوہات کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ حتیٰ کہ کتب فقہ میں شروع و فتاویٰ کی کونسی کتاب کا مقام و مرتبہ ہے۔ اور کس کی روایت کو کن وجوہات کی بناء پر کس لحاظ اور کن شرائط کے تحت ترجیح حاصل ہے۔ باقاعدہ اس کی نشاندہی کی ہے۔ علامہ ابن عابدین نے اپنے مشہور زمانہ کتاب درالمختار علی الدارالمختار کے مقدمہ میں اس سے تفصیل سے بحث کی ہے۔ گویا کہ انہوں نے مسائل کی تحقیق کے لئے وہ بنیادیں فراہم کی ہیں۔ جن سے آنے والی نسلوں کے لئے تحقیق کا کام نہایت آسان بن گیا ہے۔

شرعی نقطۂ نظر سے تحقیق کو ایک نہایت معتبر مقام حاصل ہے۔ کیا یہ کم ہے کہ بلا تحقیق، عام معمول کی باتوں سے بھی روکا گیا ہے۔ جس کے صدق و کذب کے بارے میں وثوق حاصل نہ ہو۔ بجائے یہ کہ کسی مسئلہ کے حکم کی دریافت میں ان شرائط سے غفلت کی جائے جو قرآن و حدیث کی تعلیمات سے مستفاد ہوتی ہیں۔

حوالہ جات وحواشی

1 عباسی، عبدالحمید خان. اصول تحقیق. ط: 2003ء, نیشنل بک فاؤنڈیشن وزارت تعلیم پاکستان، اسلام آباد، ص۷٦

2 ابن منظور، ابوالفضل جمال الدین محمد ابن مکرم. لسان العرب. ط: دارالفکر, بیروت، مادہ: حقق

3 اصول تحقیق، ص۷۸

4 احسان، ڈاکٹر. تعلیمی تحقیق. ط: بک ٹریڈز, لاہور, ص ۱۲

5 جائزہ رہنمائی و تحقیق. ط: 2002ء, علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، ص۱۸۱

6 القرآن الحکیم، سورۃ البقرۃ2: 3

7 کاندھلوی، محمد علی صدیقی. معالم القرآن. ط: ادارہ تعلیمات قرآن، سیالکوٹ, ۱/۱۹۲-۱۹۳

8 ابن حزم، ابومحمد علی ابن احمد، اندلسی. الملل والنحل (اردو ترجمہ). ط: 1978ء, عمر اکیڈمی، لاہور، ۱/۴

9 الملل والنحل (اردو ترجمہ)، ۱/ ۵

10 القرآن الحکیم، سورۃ الحجرات ۴۹ :٦

11 محمد شفیع، مولانا، مفتی. معارف القرآن. ط: ادارۃ المعارف، کراچی, ۸/۱۰۵

12 القرآن الحکیم، سورۃ النساء۴: ٦

13 آلوسی، محمود. روح المعانی. مکتبہ امدادیہ، ملتان, ۵/۴۹

14 القرآن الحکیم، سورۃ النساء۴: ٦

[15] معاف القرآن، ۲/ ۲۹۴

[16] بدر عالم، مولانا. ترجمان السنتہ. ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۱/ ۱۹۶

[17] القرآن الحکیم، سورۃ الإسراء ۱۷: ۳۶

[18] زمخشری، جار اللہ محمود بن عمر. الکشاف عن حقائق التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التاویل. ط3: 1407ھ، ۳/ ۲۶۶

[19] روح المعانی، ۱۵/ ۴۳

[20] الجصاص، ابو بکر احمد بن علی الرازی. احکام القرآن. سہیل اکیڈمی لاہور، ۲/ ۲۰۴

[21] فاروقی، عبد الحیٔ، خوانہ (ومعاونین). درس قرآن. ادارہ درس قرآن، لاہور، ۴/ ۲۷

[22] نعمانی شبلی، مولانا. مقدر سیرۃ النبی. ط: 1975ء، مکتبہ تعمری انسانیت، لاہور، ص ۶۶-۶۷

[23] القرآن الحکیم، سورۃ الفرقان ۲۵: ۴۳

[24] معارف القرآن، ۶/ ۵۰۸

[25] ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث سجستانی. سنن ابو داؤد. مترجم: شیخ ابو عمار فاروقی سعیدی. ط: 1427ھ، مکتبہ دار السلام، الریاض، ۴/ ۳۹۷

[26] بدر عالم، مولانا. جواہر الحکم. ایچ۔ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۳/ ۱۲۰

[27] وحید الزماں، علامہ. لغات الحدیث. ط: نور محمد اصح المطابع، کراچی، کتاب الزاء، ص ۲۰

[28] القشیری، مسلم بن الحجاج، الامام. الجامع الصحیح للمسلم. ط: ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۱/ ۸

[29] رضی الدین حسن، الامام. مشارق الانوار. ترجمہ وفوائد: مولانا خرم علی. میر محمد کتب خانہ، کراچی، ص ۲

[30] الجامع الصحیح للمسلم، ۱/ ۹

[31] الجامع الصحیح للمسلم، ۱/ ۱۱

[32] الجامع الصحیح للمسلم، ۱/ ۱۰

[33] لغات الحدیث، کتاب الیٰء، ص ۳۴

[34] ترجمان السنتہ، ۱/ ۱۷۹

[35] ترجمان السنتہ، ۱/ ۱۷۹

[36] ترجمان السنتہ، ۱/ ۱۷۹

[37] صفدر، سرفراز، مولانا. شوق حدیث. ایجنسی اسلامیہ گکھر منڈی ضلع گوجرانوالہ، ۱/ ۲۷